QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

برصغیر اور عالمِ عرب کے انقلابی شعرا کا فکری و نظریاتی تقابل: علامہ محمد اقبال اور ابو القاسم الشابی

An Intellectual and Ideological Comparison of Revolutionary Poets of the Subcontinent and the Arab World: Allama Muhammad Iqbal and Abu al-Qasim al-Shabbi

Dr Sadia Nasrullah
Assistant Professor Govt graduate college (w) Wapda Town Lahore.
Email: baseeratfatima@gmail.com
Dr. Muhammad Akram Nizami
Lecturer (V), Department of Arabic Language & Literature, University of Sargodha, Pakistan. Email: drnizami36@hotmail.com

Generally, comparative studies of poets or writers belonging to the same language aim to establish the intellectual or artistic superiority of one over the other. However, a comparative study of literature across different languages serves a broader and more meaningful purpose. Such studies not only present a clear understanding of literary history, linguistic features, stylistic tendencies, emotions, and modes of expression of different languages, but also provide valuable insights into the social attitudes, religious beliefs, political consciousness, social structures, and intellectual orientations of the societies to which these writers belong. Moreover, comparative literary analysis helps determine the social impact of literature and the extent of a writer's influence within their respective cultures. In a wider perspective, it highlights the intellectual and ideological affinities or divergences among different languages, nations, and civilizations by examining both similarities and differences.

The present article offers an intellectual and ideological comparison between the poet of the East, Allama Muhammad Iqbal, and the renowned Arab poet, Abu al-Qasim al-Shabbi. It seeks to analyze selected aspects of similarity and difference in their thought, highlighting how both poets responded to the socio-political conditions of their time through their literary expression.

Keywords: Comparative Literature, Intellectual Comparison, Ideological Thought, Allama Muhammad Iqbal, Abu al-Qasim al-Shabbi, Revolutionary and Reformist Poetry

تعارف:

ادب کسی بھی قوم کے فکری، سماجی اور تہذیبی شعور کا آئینہ دار ہوتا ہے، اور شاعری بالخصوص وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے معاشروں کی داخلی کیفیات، اجتماعی خواب اور فکری جدوجہد نمایاں صورت میں سامنے آتی ہے۔ مختلف ادوار میں شعرا نے اپنے اپنے سماجی اور تاریخی حالات کے تحت ایسے افکار پیش کیے جو نہ صرف ادبی روایت کا حصہ بنے بلکہ اجتماعی شعور کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار ادا کرتے رہے۔ اسی تناظر میں تقابلی ادب کا مطالعہ محض فنی یا اسلوبی مماثلتوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے فکری میلانات اور نظریاتی سمتوں کو سمجھنے کا مؤثر ذریعہ بن جاتا ہے۔

جب مختلف زبانوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے ادیبوں اور شعرا کا تقابل کیا جاتا ہے تو یہ مطالعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جداگانہ سماجی، سیاسی اور تاریخی پس منظر کے باوجود انسانی فکر کن مشترکہ اقدار کے گرد گردش کرتی ہے اور کن نکات پر اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اس نوعیت کا تقابل ادب کی سماجی تاثیر، شاعر کی فکری ذمہ داری اور اس کے عہد سے وابستہ شعور کو زیادہ گہرائی سے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ برصغیر کے عظیم شاعر اور مفکر علامہ محمد اقبال اور عالمِ عرب کے انقلابی شاعر ابو القاسم الشابی کے فکری و نظریاتی تقابل پر مبنی ہے۔ دونوں شعرا نے استعمار کے زیرِ اثر معاشروں میں آنکھ کھولی اور اپنی شاعری کو بیداریِ فکر، آزادیِ شعور اور اجتماعی احیا کا ذریعہ بنایا۔ اس مقالے میں دونوں شعرا کے منتخب کلام کی روشنی میں ان کے افکار میں پائی جانے والی مماثلت اور مغائرت کے نمایاں پہلوؤں کا تجزیہ کیا جائے گا، تاکہ ان کے فکری کردار اور ادبی اہمیت کو تقابلی زاویے سے بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

علامہ محمد اقبال 1877 میں برطانوی استعمار کے زیرِ تسلط ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ وہ دور نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے ایک ہمہ جہت زوال کا دور تھا۔ اقبال نے دیکھا کہ ان کی قوم اسلام کی ابدی و ارفع تعلیمات سے دور عارضی لذات اور سطحی مقاصد کے لیے سرگرداں ہے۔ وہ ملت کے شاندار ماضی کی بنیاد پر اس کا حال سنوارنے اور مستقبل تعمیر کرنے کے خواہاں تھے، سو انہوں نے اپنی قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے اور ان کے اندر انقلابی فکر بیدار کرنے کے لیے شاعری کو اپنا ہتھیار بنالیا۔ اقبال کی شاعری نے بانگ اسرافیل کا کام کیا۔ انہوں نے پاکستان کے قیام کا نظریہ پیش کیا اور پھر اپنے شاعری کے ذریعہ قوم کے تن مردہ میں ایک نئی روح پھونک دی، جس کے نتیجہ میں 1947 میں قیام پاکستان عمل میں آیا، علامہ اس تاریخی لمحہ کا نظارہ کرنے سے پیشتر 1938 میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن ان کی فکر کا مظہر پاکستان کی صورت میں زندہ وجاوید ہے

عالم عرب میں "شاعر امید" کے لقب سے مشہور ابو القاسم الشابی 1909 میں تیونس میں پیدا ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب تیونس مغربی استعمار کے زیر اثر تھا... اپنے وطن کی آزادی وخود مختاری کا خواب آنکھوں میں سجائے یہ دردمند دل 1939 میں نہایت کم عمری میں ابدی نیند سو گیا۔ اس نے اپنے ہم وطنوں کو جو خواب دکھائے ان کی تعبیر اپنی آنکھوں سے تو نہ دیکھ پایا لیکن تیونس آزاد

ہوا تو شابی کے مشہور قصیدہ ارادۃ الحیاۃ کا ایک بند اس کے قومی ترانے کا حصہ بن کر اس کی فکر کو زندہ و جاوید کر گیا۔ ارادۃ الحیاۃ کا یہ بند ہر انقلابی فکر رکھنے والے کو متاثر کرتا ہے، چنانچہ حال ہی میں مصر سے اٹھنے والی تحریک نے بھی اسی بند کو اپنا سلوگن بنایا۔

شابی اور اقبال کے درمیاں زمانی و فکری مماثلت کے کئی پہلو ہیں، مثلاً:

1. دونوں کا زمانہ حیات ایک ہے
2. شابی کی قلیل شعری عمر اور اقبال کے فکری عروج کا دور لگ بھگ ایک ہی ہے۔
3. ملکی اور سیاسی حالات یکساں ہیں۔
4. دونوں مغربی استعمار کے زیرِ تسلط بلاد اسلامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔
5. دونوں شعراء کے فطرت سے ماخوذ الفاظ اور اسباق میں مماثلت ہے۔
6. فلسفہ حیات اور نظریات میں یکسانیت ہے۔
7. دونوں کی شاعری کی سماجی تاثیر میں مماثلت ہے۔

فکری اور نظریاتی مماثلت کے چند پہلو

اقبال اور شابی میں ایک قدر مشترک ان کا نظریہ فن ہے۔ دونوں میں یک رنگی ہے۔ شعر برائے شعر نہیں بلکہ مقصدیت ہے۔ اقبال کی شاعری کا ایک ممتاز پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری کے مضامین عامیانہ نہیں۔ انہوں نے اپنی نظریے اور فکر کی اشاعت کے لیے شعر کو بطور وسیلہ اختیار کیا۔ اپنے ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں:

"بعض خاص مقاصد رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا راستہ اختیار کیا ہے"[1]

وہ مقاصد قوم میں بیداریٔ شعور اور احیاء کلمۃ اللہ کے سوا کیا ہو سکتے ہیں۔ لاریب ان کے نظریہ اور فکر کے تانے بانے رسول عربی ﷺ کے دین کی سربلندی و سرفرازی کے عظیم مقصد سے ملتے ہیں۔

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو — مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں[2]

پاک رکھ اپنی زبان، تلمیذِ رحمانی ہے تو — ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے — خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے[3]

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے — یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ اسرافیل

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی — یہ یک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا[4]

اقبال کا خیال تھا کہ فن کی بنیاد صداقت پر ہونی چاہیے اور اس کا مقصد حیاتِ اجتماعی میں انقلابِ خیر آفریں ہونا چاہیے، اگر شاعری قوم میں بے عملی، مایوسی اور بے راہ روی پیدا کرے تو وہ مردود ہے۔ اور اگر قوم کو ولولۂ تازہ عطا کر کے صبحِ انقلاب کے لیے تیار

کرے اور اسے حیات نو عطا کرے، تو ایسے فن کو وہ پیغمبرانہ جدوجہد کا تسلسل سمجھتے تھے۔ اگر قوم کی حیثیت ایک جسم کی ہے، تو ایسے شاعر کی حیثیت دیدہ بینا کی ہے، جو قوم کے تنِ خاکی میں جان پیدا کرنے کا ہنر جانتا ہو۔ اقبال کہتے ہیں

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم   منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت، چہرۂ زیبائے قوم   شاعرِ رنگین نوا ہے دیدۂ بینائے قوم[5]

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری   ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں   کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری
اہلِ زمین کو نسخۂ زندگیِ دوام ہے   خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری[6]

کہہ گئے ہیں: شاعری جزویست از پیغمبری   ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش[7]

ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے   بے ہوش جو پڑے ہیں، شاید انھیں جگا دے[8]

جوانوں کو میری آہِ سحر دے   پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے   مرا نورِ بصیرت عام کر دے[9]

شابی بھی اپنی قوم کی بے عملی و زبوں حالی سے پریشان ہے اور ملت کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے شعر کا سہارا لیتا ہے۔ اس کے اشعار میں بھی عامیانہ موضوعات نہیں ملتے۔ محض خم و کاکل کی شاعری سے عارضی فرحت و انبساط کا سامان پیدا نہیں کرتا، بلکہ اپنے اشعار کو اپنے نظریات کی اشاعت کا وسیلہ بناتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اشعار اس کے ماضی کے ترجمان ہیں، اور اس کے مستقبل کے آئینہ دار ہیں، ایک طویل نظم میں اپنے اشعار کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اشعار میرے افکار و احساسات کے ترجمان ہیں:

أنتَ يا شِعْرُ فلذةٌ مِنْ فؤادي تَتَغَنَّى وقِطْعةٌ مِنْ وُجُودي فيكَ مَا في خواطري مِنْ بكاءٍ فيكَ مَا في عواطفي مِنْ نشيدِ فيكَ مَا في مَشَاعري مِنْ وُجُومٍ لا يُغَنِّي ومِنْ سُرورٍ عَهيدِ[10]	تو اے شاعری، ٹکڑا ہے میرے جگر کا نغمہ سرا۔ اور حصہ میرے وجود کا تم میری فغاں کی غماز ہو اور زمزمہ خواں میرے جذبات کی تم ترجماں ہو میری روح کے خاموش گیتوں اور سرورہائے رفتہ کی
لا أَنظمُ الشِّعْرَ أَرجو بهِ رضاءَ الأَميرِ بِمِدْحَةٍ أَورثاءٍ تُهدى لرَبِّ السَّريرِ حسبي إِذا قلتُ شعراً أَنْ يرتضيهِ ضَميري مَا الشِّعرُ إلاَّ فضاءٌ	میں شعر اس لیے نہیں کہتا کہ اس کے ذریعے کسی امیر کی رضا حاصل کروں، کسی مدح یا مرثیے کے ذریعے جو کسی صاحبِ تخت و تاج کو پیش کیا جائے۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ جب میں شعر کہوں تو میرا اپنا ضمیر اس سے مطمئن ہو۔ شعر تو بس ایک وسعت ہے جس میں میری بات پرواز کرتی ہے،

يرفُّ فيهِ مَقَالي
فيما يَسُرُّ بلادي
ومَا يَسُرُّ المعالي
وما يُثيرُ شُعوري
مِنْ خَافقاتِ خَيَالي
لا أَقْرُضُ الشِّعْرَ أَبغي
به اقتناصَ نَوَالِ
الشِّعْرُ إنْ لم يكنْ في
جمالِهِ ذا جَلالِ
فإنَّما هوَ طيفٌ
يَسعَى بوَادي الظِّلالِ
يقضي الحَيَاةَ طريداً
في ذِلَّةِ واعتزالِ[11]

ان باتوں میں جو میرے وطن کو خوش کریں، اور جو بلند اقدار کو مسرت دیں، اور جو میرے احساسات کو ابھاریں میرے تخیل کی کشمکش واضطراب سے۔ میں شعر اس غرض سے نہیں کہتا کہ اس کے ذریعے کسی انعام یا صلے کو پالوں۔ اگر شعر اپنے جمال میں وقار اور جلال نہ رکھتا ہو، تو وہ محض ایک سایہ ہے جو سائیوں کی وادی میں بھٹکتا رہتا ہے، اور انجام کار راندہ در ذلت وعزلت زندگی تمام کرتا ہے

ارشاد باری تعالی ہے:(اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ) بے شک اللہ تعالی اس وقت تک کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ اپنے اندر خود تبدیلی پیدا نہ کرلیں۔[12] اقبال اس آفاقی حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم — کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر — نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر[13]
عمل سے زندگی بنتی جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری[14]
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار — اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز — زمانہ باتو نہ سازد، تو بازمانہ ستیز[15]
تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا — کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی[16]
وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا — یہ سنگ وخشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے[17]
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے — جو ہر نفس سے کرے حیاتِ جاوداں پیدا[18]
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

بالخصوص اقبال کے اس آخری شعر کا مضمون، الفاظ اور آہنگ شابی کے مشہور قصیدہ ارادۃ الحیاۃ کے ابتدائی بند سے حد درجہ مماثل ہیں۔ شابی کہتا ہے

إِذا الشَّعْبُ يوماً أرادَ الحياةَ	جب قوم نے باعزت زندگی کا ارادہ کر لیا ہے
فلابُدَّ أنْ يَسْتَجيبَ القدرُ	لازم ہے کہ اب تقدیر سرنگوں ہو جائے
ولابُدَّ للَّيلِ أنْ ينجلي	لازم ہے کہ اب رات کالی چھٹے
ولابُدَّ للقيدِ أنْ يَنْكسِرْ[19]	لازم ہے کہ زنجیر غلامی ٹوٹے

فويلٌ لِمَنْ لم تَشُقْهُ الحياةُ	افسوس اس پر کہ جسے زندگی عدم کی دستبرد سے نہ بچا سکے
من صَفْعَةِ العَدَمِ المنتصرْ	کائنات نے مجھے یہ بتایا ہے
كذلك قالتْ لِيَ الكائناتُ	اور اسکی روح مضمر نے بھی یہی خبر دی ہے
وحدَّثَني روحُها المُستَتِرْ	ہوا نے سرگوشی کی کشادہ راستوں میں،
ودَمْدَمَتِ الرّيحُ بَيْنَ الفِجاجِ	پہاڑوں کی بلندیوں پر، اور درخت کے سائے میں
وفوقَ الجبالِ وتحتَ الشَّجرْ	جب میری نگہ کسی بلند مقصد کی طرف اٹھتی ہے تو
إذا ما طَمحْتُ إلى غايةٍ	(حصول مقصد کی) آرزو کا پیچھا کر کے اسے پالیتا ہوں
رَكِبتُ المنى ونَسيتُ الحَذرْ	اور اس سلسلے میں احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیتا ہوں
ولم أتجنَّبْ وُعورَ الشِّعابِ	میں دشوار گزار وادیوں سے بچتا ہوں
ولا كُبَّةَ اللَّهَبِ المُستَعِرْ	نہ ہی شعلہ فشاں حملوں سے پہلو تہی کرتا ہوں۔
ومن لا يحبُّ صُعودَ الجبالِ	جو کہساروں کو سر کرنے سے خوفزدہ ہوتا ہے
يَعِشْ أبَدَ الدَّهرِ بَيْنَ الحُفَرْ	وہ ہمیشہ پستیوں میں زندگی گزارتا ہے
فَعَجَّتْ بقلبي دماءُ الشَّبابِ	جوان خون میرے دل میں جوش مارتا ہے
وضجَّت بصدري رياحٌ أُخَرْ[20]	آندھیاں میرے سینے میں ہنگامہ آرا ہیں

اقوام کی زندگی میں سب سے کٹھن وقت وہ ہوتا ہے جب وہ زمانے کی رفتار کے ساتھ اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ اپنے حالات میں بہتری پیدا کرنے، تبدیلی لانے اور انقلاب بپا کرنے کی سوچ اجتماعی طور پر ختم ہو جائے تو ایسی قوم کو نشانِ عبرت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ کہتے ہیں:

افسوس، صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو ۔۔۔ دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ۔۔۔ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات[21]

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی روح امم کی حیات کشمکش انقلاب[22]

شابی کی شاعری بھی اسی فکر کی ترجمان نظر آتی ہے۔

كلُّ قلبٍ حملَ الخسفَ، وما ملَّ من ذلِّ الحياة ِالأرْذلِ كُلُّ شَعْبٍ قَدْ طَغَتْ فِيهِ الدِّمَا دونَ أن يثْأَرَللحقّ الجلي خَلِّهِ لِلْمَوْتِ يَطْوِيهِ!.. فَمَا حظُّه غيرُالفَناء الأنكلِ[23]	ہر وہ دل جس نے غم سہے اور حقیر زندگی کی ذلت سے نہ اکتایا اور ہر وہ قوم جو حق کے لیے بغاوت کئے بغیر لہولہو ہو گئی اسے مرنے کے لئے چھوڑ دو کہ اس کا نصیب صرف عبرت آموز فناء ہے
ومَن لم يعانقْهُ شَوْقُ الحياةِ تَبَخَّرَ في جَوِّها واندَثَرْ فويلٌ لِمَنْ لم تَشُقْهُ الحياةُ من صَفْعَةِ العَدَمِ المنتصرْ[24]	جو حیات جاوداں کے شوق سے ہم کنار نہ ہو جلد ہی فضاء میں تحلیل ہو کر ختم ہو جاتا ہے افسوس اس پر کہ جسے زندگی فاتح عدم کی دستبرد سے نہ بچا سکے
لا يَنْهَضُ الشَّعبُ إلاَّ حينَ يَدْفَعُهُ عَزْمُ الحَيَاةِ إِذا مَا اسْتَيْقَظَتْ فيهِ والحَبُّ يخترِقُ الغَبْراءَ مُنْدَفِعاً إلى السَّماءِ إذا هَبَّتْ تُناديهِ والقَيْدُ يأْلَفُهُ الأَمْواتُ مَا لَبِثُوا أَمَّا الحَيَاةُ فيُبْلِيها وتُبْليهِ	کوئی قوم اس وقت تک عروج نہیں پاتی جب تک حیات جاوداں کا شوق اس میں بیدار ہو کر اسے نہ اکسائے اور بیج مٹی کی چادر پھاڑ کر آسمان کی طرف بلند ہوتا ہے۔ جب زندگی بیدار ہوتی ہے تو اسے زمین سے نکال کر جواں کر دیتی ہے غلامی سے ہمیشہ مردے مالوف ہوتے ہیں جبکہ زندوں کو یہ آزمائے تو وہ اس کا مقابلہ کرتے ہیں

فلسفہ غم: مصائب و آلام قلب انسانی کو جس کیفیت سے دوچار کرتے ہیں اسے رنج و غم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غم حیات انسانی کا جزو لاینفک ہے، تاریخ شاہد کہ رنج و آلام انسانوں پر حسب مراتب وارد ہوئے ہیں جس قدر عظیم شخصیات ہوئیں اسی قدر بڑے مصائب، آلام سے آزمائی گئیں۔ انبیاء و رسل اس کائنات میں اللہ کی سب سے برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ قرآن نے انبیاء کرام کو پیش

آنے والے آلام کی کئی مثالیں بیان کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اشد الناس بلاء الانبیاء، ثم الامثل فالامثل"۔[25] "لوگوں میں سب سے کڑی آزمائشیں انبیاء کی ہوتی ہیں پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ "

دراصل رنج و غم اور آزمائش سے دوچار ہونے کے بعد انسان سے دو متضاد جذباتی ردعمل متوقع ہوتے ہیں۔ 1۔ بے صبری، جس کی وجہ سے یاسیت، ناامیدی، کم حوصلگی، بزدلی وغیرہ کے رذائل جنم لیتے ہیں۔ 2۔ صبر، جس کے باعث انسان عزم و حوصلہ، جرات و بے باکی، ثابت قدمی کے اخلاق عالیہ سے متصف ہوتا ہے. اس طرح آزمائش اور رنج و غم بالواسطہ بلند مقاصد کے حصول کے لئے تربیت کا ایک وسیلہ ہیں۔

بانگِ درا" میں ایک نظم بعنوان " فلسفہ غم " شامل ہے۔ اس نظم میں غم کی مختلف جہات کو اجاگر کیا گیا ہے خاص طور سے غم کے مثبت پہلو کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ غم والم میں ایک عجیب قسم کی جاذبیت اور کشش محسوس ہوتی ہے۔ اور پڑھنے والا غم کے بالکل مختلف نقطۂ نظر سے آشنا ہوتا ہے۔ غم اس کو اپنا حریف نہیں بلکہ اپنا حلیف لگتا ہے اور وہ اسے اپنی زندگی کا قیمتی اثاثہ سمجھنے لگتا ہے۔ علامہ اقبال ابتدائی بند میں فرماتے ہیں:

گو سراپا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی　　　اشک بھی رکھتا ہے دامن میں سحابِ زندگی
موجِ غم پر رقص کرتا ہے حبابِ زندگی　　　ہے الم کا سورہ بھی جزوِ کتابِ زندگی[26]

قرآن مجید میں کہا گیا ان مع العسر یسرا[27]۔ یعنی آسانی حاصل کرنے کے لیے محنت، مشقت، رنج، غم کی تنگ گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے، کہا جاتا ہے: "الاشیاء تعرف باضدادھا۔" جس طرح رات کے بغیر دن کی اہمیت و عظمت اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح انسان کی زندگی بھی غم کے بغیر ادھوری ہے۔ انسانی شخصیت کے کمال و تکمیل میں مصائب و مشکلات کا بڑا کلیدی کردار ہے۔۔ تاریخ شاہد ہے کہ تمام عظیم شخصیات نے مصائب سے اور رنج و غم سے راہِ فرار اختیار نہیں کی بلکہ انہیں متاع حیات سمجھ قبول کیا۔ اقبال کہتے ہیں:

ایک بھی پتی اگر کم ہو تو وہ گل ہی نہیں　　　جو خزاں نادیدہ ہو بلبل وہ بلبل ہی نہیں۔
آرزو کے خون سے رنگین ہے دل کی داستان　　　نغمۂ انسانیت کامل نہیں غیر از فغاں
حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرت کو کمال　　　غازہ ہے آئینۂ دل کے لئے گردِ ملال[28]

شابی کے ہاں اس موضوع پر بھی اقبال سے نظریاتی مماثلت نظر آتی ہے۔ وہ رنج و غم کو تسلسلِ حیات کے لیے رکاوٹ نہیں مہمیز سمجھتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

فما الدَّمعُ إلاَّ شرابُ الدُّهورِ وما الحزنُ إلاَّ غِذَاءُ الحيَاةْ	آنسو تو شرابِ کہنہ ہیں اور غم زندگی کی غذا

نظریہ موت: موت کا خوف اور زندگی کی محبت قوموں کو بے عمل بناتی ہے، اسلام نے اس خوف کو دور کیا۔ اور سب سے پہلے قرآن نے موت میں زندگی پوشیدہ ہونے کا نظریہ پیش کیا۔ راہ حق میں موت کو گلے لگانے والوں کو حیات جاوید کی بشارت سنائی گئی (ترجمہ آیت)" اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انہیں ہر گز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے"[29] موت کو حسین بنانا دراصل جدوجہد کا محرک ہے۔ جدوجہدِ حق اور تغیر وانقلاب کے راستے میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ موت کا خوف ہے۔ رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کے زوال کا سبب دنیا کی محبت اور موت کا خوف بتایا تھا۔[30]
اقبال کہتے ہیں

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق — جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں دکھا کر تجھے رخِ دوست — زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے[31]

اقبال موت کو عدم محض یا فناء کلی نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ اسے ایک نئی اور جاندار زندگی کی خوشگوار صبح سے تعبیر کرتے ہیں

زلزلے سے کوہ ودر اُڑتے ہیں مانندِ سحاب — زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود
ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریبِ تمام — ہے اسی میں مشکلاتِ زندگانی کی کشود[32]

"الی الموت" کے عنوان سے ایک طویل نظم میں شابی اسی نظریہ کو یوں پیش کرتا ہے۔......

صَبِيَّ الحَيَاةِ الشَّقِيَّ العنيدْ	اے بدحال اور باطل زندگی کے رہین
أَلا قدْ ضَلَلْتَ الضَّلالَ البعيدْ	تم گمراہی میں بہت دور جا پڑے ہو
أَتُنشدُ صوتَ الحَيَاةِ الرخيمَ	کیا تم ایک دلکش حیات کے گیت گا رہے ہو
وأَنتَ سجينٌ بهذا الوجودْ	حالانکہ تم اس وجود کے قیدی ہو
وتَطْلُبُ وَرْدَ الصَّبَاحِ المخ	موت کے راستے پر۔۔۔۔ اگر تم زندگی آسانی چاہتے ہو
ضَّبَ مِنْ كفِّ حَقْلٍ حَصِيدْ	کہ فنا کے پردوں کے پیچھے تمھارا مطلوب ہے
إلى المَوْتِ إنْ شِئْتَ هَوْنَ الحي	موت کے راستے پر چل ۔۔۔۔ اے بدنصیب زندگی گزارنے والے
اة فَخَلْفَ ظلامِ الرَّدى مَا تُرِيدْ	
إلى المَوْتِ يا ابنَ الحَيَاةِ التعيسَ	دلکش زندگی کی آواز موت میں پوشیدہ ہے
ففي الموتِ صَوْتُ الحَيَاةِ الرخيمْ	موت کے راستے پر چل کہ موت ایک حسین روح ہے۔۔۔۔
إلى المَوْتِ إن عَذَّبَتْكَ الدُّهورُ	جو ان بادلوں کے اوپر منڈلا رہی ہے
ففي الموتِ قَلْبُ الدُّهورِ الرَّحيمْ	فرحاں وشاداں خوشگوار صبح خلود پر
إلى المَوْتِ فالموتُ رُوحٌ جميلٌ	اور اس کے جوار میں
يُرَفْرِفُ مِنْ فوقِ تِلْكَ الغُيومْ	
فَرُوحاً بفَجْرِ الخُلُودِ البهيجِ	

وما حَوْلَهُ مِنْ بَنَاتِ النُّجومْ
إلى المَوْتِ فالموتُ جامٌ رَوِيٌّ
لمنْ أَظْمَأَتْهُ سُمُومُ الفَلاةْ
33

موت کے راستے پر چل کہ موت ایک سیر اب کر دینے والا جام ہے
اس کے لیے جسے بیابان کی لو نے پیاسا کر دیا ہو۔۔۔۔
تو پیاسا ہے تو موت سے پہلے کسی چشمہ شیرین سے سیر اب نہیں ہو سکتا
کہ آنسو تو شراب کہنہ ہیں اور غم زندگی کی غذا
موت کے راستے پر چل کہ موت کی نرم و گداز گود میں ساری کائنات سوتی ہے۔۔۔۔
موت کے راستے پر۔۔۔۔ اگر تمھیں خطرات گھیر لیں اور تم پر امن کی راہ بند کر دیں
کہ عالم موت میں زندگی
غم کی چادر اور تاریکیوں کا نقاب اتار دیتی ہے
اور یوں عیاں ہوتی ہے جیسے تازہ تازہ تخلیق کی گئی ہو
اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے

"موت کا خوف زندگی کے ہر لمحے کو قیمتی بنا دیتا ہے۔ یہ انسانوں کو بڑے بڑے کارنامے انجام دینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ زندگی کا سارا لطف اور اس کی تمام سرگرمیاں اسی خوف کی وجہ سے ہیں۔ یہ خوف بجائے اس کے زندگی افسردہ کر دے' زندگی میں توانائی، تیزی اور لذت پیدا کرتا ہے۔۔۔۔ انسان جانتا ہے کہ زندگی بہت مختصر ہے اور موت جلد یا بہ دیر اس کا خاتمہ کر دے گی۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس تھوڑی سی مہلت سے وہ زیادہ فائدہ اٹھائے۔ جوں جوں یہ مہلت کم ہو جاتی ہے' اپنے مشن یا مقصد سے اس کی دلچسپی بڑھتی رہتی ہے اور یہی چیز دنیا کی رونق اور ترقی کا سبب ہے۔ اگر انسان کو ہمیشہ یہاں رہنے کا یقین ہو جائے تو اس کی سرگرمی میں کمی آجائے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ مہلت زیادہ ہو تو وہ سہل انگاری سے کام لیتا ہے جس قدر مہلت قلیل ہوتی ہے، کام کی امنگ اور تکمیل کا شوق زیادہ ہو جاتا ہے اور اسی میں زندگی کا حقیقی لطف پوشیدہ ہے۔۔"[34]

شابی اس موضوع کو یوں بیان کرتا ہے:

تأمَّلْ فإنَّ نِظامَ الحياةِ
نِظامٌ دقيقٌ بديعٌ فريدْ

غور سے دیکھو کہ نظام حیات
دقیق، بدیع اور نرالا ہے

فما حبَّبَ العيشَ إلاَّ الفناءُ	زندگی کو محبوب صرف فنا بناتی ہے
ولا زانَه غيرُ خوفِ اللُّحودْ	اور قبر کا خوف ہی اسے آراستہ کرتا ہے
ولولا شقاءُ الحياةِ الأليمِ	اگر زیستِ الم بار کی سختی نہ ہوتی
لما أَدركَ النَّاسُ معنى السُّعودْ	تو لوگ خوشحالی کے معنی بھی نہ جان پاتے
ومن لم يرُعْهُ قطوبُ الدّياجيرِ	اور جسے تاریک راتوں کی ہیبت سے وحشت نہ ہو
لَمْ يغتبط بالصَّباحِ الجديدْ[35]	وہ صبحِ نو سے فرحت محسوس نہیں کرتا

اقبال کی نظم عالمِ برزخ میں ایک مردہ اور قبر کا مکالمہ بیان کرتے ہیں، جس میں مردہ قیامت میں دوبارہ جی اٹھنے سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے تو صدائے غیب آتی ہے:

صدائے غیب

نے نصیبِ مار و کژدُم، نے نصیبِ دام و دَد
ہے فقط محکوم قوموں کے لیے مرگِ ابد
بانگِ اسرافیل اُن کو زندہ کر سکتی نہیں
رُوح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسَد
مر کے جی اُٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لَحد

قبر (اپنے مُردے سے)

آہ، ظالم! تُو جہاں میں بندۂ محکوم تھا
مَیں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوز ناک
تیری مَیّت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری مَیّت سے زمیں کا پردۂ ناموس چاک
الحذَر، محکوم کی مَیّت سے سو بار الحذَر
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک[36]!

شابی اپنی نظم ارادۃ الحیاۃ میں اسی آہنگ میں کہتا ہے

وقالتْ ليَ الأَرضُ لما سألتُ	جب میں نے دھرتی سے پوچھا:
أيا أمُّ هل تكرهينَ البَشَرْ	اے ماں، کیا تو انسانوں سے بیزار ہے؟

أُباركُ في النَّاسِ أهلَ الطُّموحِ
ومَن يَسْتَلِذُّ ركوبَ الخطَرْ
وألعنُ مَنْ لا يماشي الزَّمانَ
ويقنعُ بالعيشِ عيشِ الحجرْ
هو الكونُ حيٌّ يحبُّ الحَيَاةَ
ويحتقرُ الميْتَ مهما كَبُرْ
فلا الأُفقُ يَحْضُنُ ميتَ الطُّيورِ
ولا النَّحْلُ يلثِمُ ميْتَ الزَّهَرْ
ولولا أُمومَةُ قلبي الرَّؤومُ لَمَا
ضمَّتِ الميْتَ تِلْكَ الحُفَرْ
فويلٌ لمنْ لم تَشُقْهُ الحَيَاةُ
منْ لعنةِ العَدَمِ المنتصرْ[37]

تو اس نے کہا
میں ان بلند نظر لوگوں میں برکت کی دعا کرتی ہوں،
جو خطرات کی سواری سے لطف اندوز ہوتے ہیں
اور اس شخص پر لعنت بھیجتی ہوں جو زمانے کو اپنے مرضی سے نہ چلا سکے
اور سنگ و خشت کی سی زندگی پر اکتفا کر لے
یہ کائنات زندہ ہے اور زندگی سے محبت کرتی ہے،
مردہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، ناپسندیدہ ہے
نہ افق مردہ پرندے کو گلے لگاتا ہے
اور نہ مکھی مردہ پھولوں کا رس چوستی ہے
اگر میں (زمین) مادرِ مہربان کی قلبی صفات سے خالی ہوتی
تو قبروں کے یہ گڑھے میں کسی مردہ کو پناہ نہ دیتے
افسوس اس پر جسے زندگی
فاتح عدم کی لعنت سے جدا نہ کر سکی

خودی، حسنِ عمل اور جہدِ مسلسل کا عقیدہ رکھنے والے اقبال اور خودداری، خودشناسی، اور عزم و عمل کی دعوت دینے والے شابی کے مقاصد ایک سے ہیں۔ دونوں ماضی کی شاندار بنیادوں پر اپنی اپنی قوم کا مستقبل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایمان و یقیں، عزم و حوصلہ، جوش و جذبہ، خودداری و خودشناسی اور اولوالعزمی کی اعلیٰ صفات پیدا ہوں۔ قوم کو عمل اور حسن عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔۔۔ سو اقبال اور شابی دونوں مسلمانوں کو فکری، ذہنی اور جسمانی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے

والذُّلُّ سُبَّةُ عارٍ
لا يرتضيهِ الكرامْ
الفجرُ يسطعُ بعد الدُّ
جى ويأتي الضِّياءْ
ويرقُدُ اللَّيلُ قَسْراً
على مِهَادِ العَفَاءْ
وللشُّعوبِ حياةٌ
حيناً وحيناً فناءْ

غلامی ایک ایسا داغِ ننگ ہے
جسے اہلِ غیرت کبھی قبول نہیں کرتے۔
تاریکی کے بعد سحر چمکتی ہے
اور روشنی ضرور آتی ہے،
رات زبردستی سو جاتی ہے
زوال کے بستر پر۔
قوموں کی بھی ایک زندگی ہوتی ہے،

والیأْسُ موتٌ ولکنْ
موتٌ یُثیرُ الشَّقَاءْ
والجِدُّ للشَّعْبِ روحٌ
تُوحي إلیهِ الهَناءْ
فإنْ تولَّتْ تصدَّتْ
حَیَاتُهُ للبَلاءْ

کبھی عروج کبھی زوال
مایوسی تو موت ہے،
مگر ایسی موت جو بدبختی کو جنم دیتی ہے۔
قوم کے لیے محنت ایک روح کی مانند ہے
جو اسے خوش حالی کا پیغام دیتی ہے،
اور اگر یہ روح رخصت ہو جائے
تو اس کی زندگی مصیبتوں کے آگے ہتھیار ڈال دیتی ہے

اقبال کے نزدیک زندگی سکون نہیں بلکہ مسلسل حرکت ہے۔ جمود، کاہلی اور مایوسی زندگی کی نفی ہیں، جبکہ جدوجہد اور ارتقاحیات کی اصل روح ہیں۔ کہتے ہیں

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گُل پر آشیاں اپنا — چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

اقبال اپنی قوم کو بار بار ان کا شاندار ماضی یاد دلا کر انہیں عظمت رفتہ کو بارِ دگر حاصل کرنے پر ابھارتے ہیں۔ علم کی میراث کے ضائع کرنے پر ماتم کناں ہوتے ہیں۔ اور جہالت کو اپنی قوم کی زبوں حالی کا سبب بتاتے ہیں۔ وہ ایک ماہر نباض کی طرح مرض اور اس کی وجوہات کا تعین کرکے اس کی دوا تجویز کرتے ہیں

گنوا دی اسلاف سے جو میراث ہم نے پائی تھی — ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ[38]

شابی بھی اپنی قوم کی زبوں حالی کی وجہ جہالت اور اسلاف کی روشن تعلیمات سے انحراف کو سمجھتا ہے، کہتا ہے:

یا قوم ما لي أراکم
قطنتم الجهل دارا
أضعتم مجد قوم
شاؤو الحیاة فخارا
ابقوا سماء المعالي
بما أضاءوا منارا
حاکوا لکم ثوب عز
خلعتموه احتقارا
ثم ارتدیتم
لبوس خزي و عارا[39]

اے میری قوم، بتاؤ کیا ہوا کہ
تم نے جہالت کو اپنا ٹھکانہ بنالیا
تم نے اس قوم کی کی عظمت گنوا دی
جس نے زندگی کو قابلِ فخر بنا دیا تھا۔
آسمانِ رفعت پر وہ جگمگائے
اپنی تاباں تعلیمات سے منور
انہوں نے تمہارے لیے عزت کا لباس تیار کیا،
مگر تم نے اسے حقارت سے اتار دیا،

	اور پھر پہن لیا شرمندگی اور ذلت کا لباس۔
ليتَ لي قوَّةَ العواصفِ، يا شعبي فأُلقي إليكَ ثَوْرةَ نفسي! ليت لي قوة الأعاصيرِ! إن ضجَّتْ فأدعوكَ للحياة بنبسي! ليت لي قوة الأعاصيرِ..! لكْ أنتَ حيٌّ، يقضي الحياة برمسِ[40]!..	کاش میرے پاس طوفانوں کی سی قوت ہوتی، اے میری قوم، تو میں اپنی تمام جذباتی کیفیات تمھارے اندر انڈیل دیتا کاش مجھے آندھیوں کی سی طاقت حاصل ہوتی؛ جب وہ گرجتیں تو میں اپنی جان نچھاور کر کے تمھیں زندگی کی طرف دعوت دیتا ہوں کاش مجھے آندھیوں کی سی قوت مل جاتی... مگر تم تو زندہ ہو کر بھی قبر جیسی زندگی گزار رہے ہو۔

ومجداً يكون لنا في الخلود أَكاليلَ من رائعاتِ الوُرودْ خُلِقنا لنبلُغَ شأْوَ الكمالِ وَنُصبح أهلاً لمجدِ الخُلُودْ ولكنْ إذا مَا لبسنا الخلودَ ونِلنا كمالَ النُّفوسِ البعيدْ فهلْ لا نَمَلُّ دَوَامَ البقاءِ وهلْ لا نَوَدُّ كمالاً جديد وكيف يكوننَّ هذا الكمالُ وماذا تُراهُ وكيفَ الحُدودْ وإنَّ جمالَ الكمالِ الطُّموحُ وما دامَ فكراً يُرَى من بعيدْ فما سِحْرُهُ إنْ غدا و اقعاً يُحَسُّ وأَصبحَ شيئاً شهيدْ وهلْ ينطفي في النُّفوسِ الحنينُ وتُصبحُ أَشو اقُنا في خُمودْ فلا تطمحُ النَّفْسُ فوقَ الكمالِ وفوقَ الخلودِ لبعضِ المزيدْ	حیات ابدی میں عظمت و شان ہمارا مقدر ہے اور شاندار گلابوں کے تاج۔۔ ہم حصولِ کمال کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور ہم عظمتِ دوام کے اہل ہوں گے۔ لیکن جب ہم لباسِ ابدیت پہن چکیں گے۔۔۔۔ اور اعلیٰ روحانی کمال حاصل کر چکیں گے۔ کیا ہم دوامِ بقا سے اکتا نہ جائیں گے اور کیا کسی کمالِ نو کے خواہاں نہ ہوں گے اس کمال کی کیفیت کیا ہو گی اس کی رویت و حدود کی کیفیت کیا ہو گی حسنِ کمال تو آرزو مندی (میں) ہے۔ **جب تک وہ (کمال) دور از نگاہ ایک خیال کی صورت ہے (حسین ہے)** وہ حقیقت بن گیا۔۔ تو کیسا جادو حس و مشاہدہ میں آ گیا۔۔۔ تو کیسا سحر

إذا لم يَزُلْ شوقُها في الخلودِ	ولولے دلوں کے سرد ہو جائیں گے کیا؟
فذلك لعَمْري شقاءُ الجُدودْ	اور بجھ جائے گا شعلۂ شوق وہاں؟
وحربٌ ضروسٌ كما قَدْ عهدنُ	نفس تمنا نہ کرے گا بالائے کمال
ونَصْرٌوكسرٌوهمٌّ مديدْ	بعد از دوام کچھ مزید
وإنْ زالَ عنها فذاكَ الفناءُ	گر ہے دوام مرگ آرزو کا نام
وإنْ كان في عَرَصَاتِ الخُلودْ[41]	تو وائے حیاتی، یہ
	کم نصیبی ہے
	ہنگامۂ کارزار
	فتح وشکست، اور اور اندیشہ و غم۔
	شعلۂ شوق کا سرد ہونا ہی فنا ہے
	خواہ جاوانی کی وسعتوں میں ہی کیوں نہ ہو۔

اقبال بھی موت کو عدم محض یا فنا کلی نہیں سمجھتا بلکہ اسے صبحِ دوامِ زندگی سے تعبیر کرتا ہے، حیات جاوید پر یقین رکھتا ہے لیکن شابی کی طرح بے عمل اور یکسانیت سے پر اس زندگی کا تصور اس کے انقلابی ذہن پر گراں بھی گزرتا ہے

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی[42]

ملک وملت کی بیداری سے خانقاہوں اور علمی وروحانی خانوادوں کی بے حسی اور بے تعلقی اقبال اور شابی دونوں کو کھٹکتی ہے تو وہ ان سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں اپنا کردار ادا کرنے کی اپیل کرتے ہیں

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد — زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن[43]

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری — کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری[44]

سَكَتُّمْ حماةَ الدِّين سَكْتَةَ واجمِ	تم خاموش ہوگئے اے دین کے محافظو، گونگے کی سی خاموشی
ونمْتُمْ بمِلْءِ الجَفْنِ والسَّيلُ داهِمُ	اور آنکھیں موند کر سوگئے جبکہ سیلاب تباہ کن ہے۔
أَفيقوا وهُبُّوا هَبَّةَ ضَيْغَمِيَّةً	ہوش میں آؤ اور شیر کی مانند جھپٹو
ولا تحجُمُوا فالموتُ في الجبْنِ جاثِمُ	اور ہمت نہ ہارو کیونکہ بزدلی میں موت منہ کھولے بیٹھی ہے۔
فدون نِقابِ الصَّمتِ تنمو ملامحٌ	

تبرقعتِ الشّرَّ الّذي لا يُقاوِمُ
فقدْ فَتَّ في زَنْدِ الدِّيانَةِ معشرٌ
أثاروا على الإسلامِ مَنْ قَدْ يُهاجِمُ
فوالحقِّ مَا هذي الزَّوايا وأَهلُها
سِوَى مصنعٍ فيهِ تُصاغُ السَّخائِمُ
لحى اللهُ مَنْ لمْ تَسْتَثِره حميَّةٌ
على دِينه إنْ داهمتهُ العَظائِمُ

خاموشی کے پردے پیچھے ایسی صفات نمو پاتی ہیں
جو ناقابلِ تلافی شر کو چھپائے ہوتی ہیں۔
قسم ہے حق کی یہ خانقاہیں اور ان کے اصحاب محض سرمہ
بنانے والے کارخانے بن کر رہ گئے ہیں۔
جس کو دین کی حمیت انقلاب پر آمادہ نہ کرے تو اللہ ہی ایسے
شخص کی حفاظت کرے، اگر اس پر بڑی مصیبتیں آ پڑیں۔

دونوں مظاہر فطرت سے ہم کلامی کرتے ہیں، اور فطرت سے حاصل ہونے والے اسرار و رموز کو اشعار میں آشکار کرتے ہیں۔ شابی کا قصیدہ: احلام الشاعر اور اقبال کی نظم اک آرزو۔۔۔ شابی کی حدیث المقبرہ اور اقبال کی خفتگانِ خاک سے استفسار شابی کی صوت من السماء اور اقبال کی دیگر کئی نظموں اور اشعار میں نہ صرف ان نظموں کے عنوانات بلکہ دونوں شعراء کی داخلی کیفیات، تنہائی کی طرف میلان فطرت کے قریب رہنے کی آرزو، بعض فلسفیانہ مسائل اور مباحث، مظاہر فطرت سے ہمکلامی، صوتی آہنگ بھی حد درجہ مماثلت ہے۔ دونوں شعراء کی شاعری کی سماجی تاثیر بھی ان معاشروں میں آنے والے انقلابات کی صورت میں عیاں ہے

عجبا لي أود أن أفهم الكون
ونفسي لم تستطع فهم نفسي[45]

(ابو القاسم الشابی)

عجیب بات ہے، میں چاہتا ہوں
کہ کائنات کو سمجھ لوں،
حالاں کہ میری اپنی ذات
اپنے ہی آپ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے[46]

---

1 Makātīb-e Sir Muḥammad Iqbāl bināṃ Sayyid Sulaymān Nadwī, Idārah-e Taḥrīkāt-o Afkār-e Millī, Karāchī, 1992, ṣ. 109
2 Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, ṣ. 127
3 Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, ṣ. 85, Iqbāl Academy, 2018
4 Ẓarb-e Kalīm, Kulliyāt-e Iqbāl (Lahore: Iqbāl Academy, 2018), 630.
5 Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl (Lahore: Iqbāl Academy, 2018), 93.
6 Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 240.
7 Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 216.
8 Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 79.
9 Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl (Lahore: Iqbāl Academy, 2018), 347.
10 Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 63.

[11] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 62.
[12] Sūrat al-Raʿd, Āyāt 11–12
[13] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl (Lahore: Iqbāl Academy, 2018), 325.
[14] Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 79.
[15] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 355.
[16] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 478.
[17] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 399.
[18] Ẓarb-e Kalīm, Kulliyāt-e Iqbāl, 613.
[19] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 70.
[20] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2006), 70.
[21] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 488.
[22] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 425.
[23] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 55.
[24] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 70
[25] Sunan al-Tirmidhī, Kitāb al-Zuhd, Bāb mā jāʾa fī ṣabr al-balāʾ, Ḥadīth no. 2398
[26] Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 182.
[27] Sūrat al-Inshirāḥ, Āyah 6
[28] Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 182..
[29] Sūrat Āl ʿImrān, Āyah 169
[30] Sulaymān ibn al-Ashʿath al-Sijistānī, Sunan Abī Dāwūd, 4/111, Ḥadīth no. 4297
[31] Ẓarb-e Kalīm, ṣ. 563
[32] Armughān-e Ḥijāz, ṣ. 720
[33] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 54- 55.
[34] Nadir Shah https://mashriqtv.pk/latest/150719/#google_vignette
[35] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 52.
[36] Armughān-e Ḥijāz, ṣ. 719.
[37] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 71.
[38] Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, 207.
[39] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 80.
[40] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 94.
[41] Abu-al-Qasim Shābbī, Dīwān-e Shābbī, Dār al-ʿAwda, 54.
[42] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 353.
[43] Bāl-e Jibrīl, Kulliyāt-e Iqbāl, 497.
[44] Armughān-e Ḥijāz, ṣ. 719.
[45] *Abu-al-Qasim* Shābbī, Dīwān *(Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2006), 97.*
[46] Bāng-e Darā, Kulliyāt-e Iqbāl, *93.*